تحریر: سین ڈبلیو انتھونی
ترجمہ: محمد یونس خالد

مقدمہ مغازی معمر ابن راشد

مغازی معمر ابن راشد سیرت طیبہ کا ایک اہم مأخذ ہے، جو سین ڈبلیو انتھونی کے مقدمے اور ادارت کے ساتھ حال ہی میں سامنے آیا ہے۔ اس اشاعت میں اس کے مقدمے کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس مقدمے میں مرتب نے کہیں کہیں حواشی بھی تحریر کیے ہیں۔ انہیں من وعن درج کیا جارہا ہے۔ ان تمام بیانات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ

معمر ابن راشد متوفی ۱۵۳ھ/۷۷۰ء کی "کتاب المغازی" پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ابتدائی سیرت کی کتابوں میں سے ایک ہے۔ جو معمر کے شاگرد عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔ یہ کتاب اس لیے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ محمد بن اسحاق متوفی (۱۵۰ھ) کی مغازی پر السیرت النبویہ کے نام سے ابن ہشام کے کام کے بعد یہ دوسری کتاب ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہے۔[1] یوں کتاب المغازی معمر بن راشد ان دو ابتدائی کتابوں میں سے ایک ہے جو عربی زبان میں لکھی گئیں اور محفوظ رہ کر ہم تک پہنچ سکی ہیں۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ابتدائی سیرت کی کتابیں (میری مراد اس سے وہ کتابیں ہیں جو پیغمبر کی وفات ۱۰ھ/۶۳۲ء کے بعد ابتدائی دو صدیوں میں لکھی گئیں) نہایت نایاب چیزیں ہیں۔ کیوں کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے کی کوئی سیرت کی کتاب محفوظ رہ کر ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ اس طرح ابتدائی ماخذ کا ہم تک پہنچنا یقیناً باعث تجسس ہے۔ میرا خیال ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت نگاری کے حوالے سے بالکل

۱۔ ابن اسحاق کے کام کا صحیح عنوان یقینی طور پر معلوم نہیں، البتہ ممکنہ عنوان کتاب المغازی ہوسکتا ہے۔ اس پر ابن ہشام کی نظر ثانی اور بعض ترمیم واضافے کے کام کو السیرت النبویہ کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن ان کے کام کا ابن اسحاق کے کام سے تعلق ذرا کم ہے۔ دیکھیے ہوروونٹز کی کتاب "Earliest Biographies" p. 80, 93 اسی طرح شیولر کی کتاب Biograhpy, p.28,29

ابتدائی زمانے کے کسی ماخذ کا ہم تک نہ پہنچنا کوئی اس وجہ سے نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام کے پیروکار اپنے آقا کے واقعات کو بیان کرنے میں دل چسپی نہیں لینا چاہتے تھے بل کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی چیزوں کی کمی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ابتدائی مسلمانوں کا خیال تھا کہ اس مرحلے میں ہی پیغمبر اسلام کی سیرت نگاری سے شاید اسلام کے سب سے اہم اور مقدس ماخذ قرآن کریم کی طرف سے توجہ میں کمی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس کمی کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تدوین قرآن سے پہلے عربی زبان ابھر کر اس پوزیشن میں نہیں آئی تھی کہ اس میں سیرت نگاری جیسا کوئی کام انجام دیا جا سکتا ہو۔

پیغمبر اسلام کی زندگی اور ان کی سیرت کو بیان کرنے والی اس طرح کی بالکل ابتدائی طور پر لکھی جانے والی کتابوں کے درمیان تاریخی طور پر پایا جانے والا یہ وقفہ ان جدید مورخین کے لیے کافی دل چسپی کا باعث ہے جو اپنے مقاصد کے لیے اس طرح کی صورت حال کو خوب استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور یوں بحث مباحثہ چل نکلتا ہے کہ کیا تاریخی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ہم بہت کچھ جان سکتے ہیں کہ نہیں اور اس دوران ان مآخذ کو پیش کرتے ہوئے ایک دوسرے کو چیلنج بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں لفظ "تاریخی محمد" سے کیا مراد ہے؟ اس لفظ سے عصر حاضر کے مورخین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی، ان کا ترکہ، ان کی انسان دوستی، ان کی آفاقیت اور ان کے دائمی و تاریخی ہونے کو تعبیر کرتے ہیں۔ اس لفظ سے پیغمبر اسلام کی منفرد زندگی کی تشریح مراد ہے، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ تشریح اس تصور سے بالکل مختلف ہی ہو، جو پیغمبر اسلام کی پیروکاروں نے صدیاں گزرنے کے بعد ان کے بارے میں قائم کیا ہے یا اس تصور کے، جو مخالف عقائد کے حامل لوگوں نے اپنے معاندانہ مذہبی رویوں کے باعث قائم کیا ہو۔

اب لامحالہ پیغمبر اسلام سے متعلق موجودہ زمانے میں پائے جانے والے تمام تصورات ان معلومات سے اخذ کیے گئے ہیں جو خود ان کے ایمانی پیروکاروں کی طرف سے آئے ہیں یا ان کے ساتھ شدید دشمنی کے مرتکب لوگوں کی طرف سے آئے ہیں۔ ہمارے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغمبرانہ مشن کو بیان کرنے والے کوئی معاصر شواہد ان کے علاوہ باہر سے موجود نہیں اور نہ ہی اسلام کے بالکل ابتدائی زمانے کا کوئی بہترین خاکہ موجود ہے[۲]۔ چناں چہ جب ہم تاریخی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات

۲۔ بہ ہر حال یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابتدائی شواہد و تصدیقات تاریخی حقائق سے خالی ہیں۔ دیکھیے ہالینڈ کی کتاب "The earliest Christion writings on Muhammad" اور انتھونی کی کتاب " Muhammad the keys to paradise, and the Doctrina Iacobi".

کریں تو یہ قطعاً حقیقی محمد کی بات نہیں ہوتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کو سمجھنے، اس کو بیان کرنے اور ان کی زندگی کے خاکے کو از سر نو مرتب کرنے کے لیے ہمیں تاریخ پر تنقید کے جدید اصولوں کو اپنانا ہوگا۔ اب قطع نظر اختیار کردہ طریق کار کے جس شکل میں بھی اس طرح کا پروجیکٹ وقوع پذیر ہوا ہو، اسلام کے ابتدائی تاریخ نگاروں کو تاریخ کے نام پر پہیلیوں سے سابقہ ضرور پڑا ہوگا۔ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا خاکہ ان لوگوں کی یادداشتوں اور ان کی تشریحات سے حاصل کر کے مرتب کیا ہوگا جو ان کو پیغمبری کا احترام دیتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح کے موضوعات سے متعلق تاریخ نگار فرشتوں سے کشتی لڑنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ (۳)

آج بہت سارے محققین ثابت قدمی کے ساتھ پرامید ہیں کہ تاریخی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت نگاری کا کام قابل عمل اور قابل قدر ہے (۴)۔ اگرچہ بعض اہل علم اس سلسلے میں زیادہ پرامید نہیں ہیں۔ کچھ نے اس خیال کو مسترد ہی کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی تاریخی سیرت نگاری بنیادی طور پر ناممکن ہے (۵)۔ یوں یہ بحث بے نتیجہ اور علمی طور پر مبہم بن کر رہ جاتی ہے۔ اس صورت حال میں میرے لیے

۳۔ مغرب میں تاریخی محمد کی زندگی کا مطالعہ کافی حد تک اور ناگزیر طور پر تاریخی عیسی کی زندگی کے مطالعے کا مرہون منت ہے۔ ایک ایسی روایت جو دو سو سالوں پر محیط ہے۔ تاہم یہ لازمی طور پر کہا جائے گا کہ ابتداء اسلام کے تاریخ نگار تاریخی عیسی کی زندگی پر تازہ مطالعے کے ماہر رہے ہیں۔ تاریخی عیسی کے حالات زندگی قلم بند کرنے کے مقصد اور چیلنجز پر بہت زیادہ لٹریچر تیار ہوا ہے، اس پر ای پی سینڈر کی کتاب "The historical figure of Jesus" بہت عمدہ رہی ہے۔

۴۔ ہائے لینڈ کی کتاب "Writing the biography of the prophet Muhammad"

۵۔ دیکھیے چبی کی کتاب "La biographie impossible de Mahomet." موجودہ دور میں انگریزی خواں طبقے کے مطالعے میں بہت کچھ ہے لیکن ان تحقیقی مقالات کے حق میں روایتی اور تاریخی سوانح لکھنا چھوڑ دیا جو ابتدائے اسلام کے بارے میں نئے خیالات تجویز کرتے ہیں۔ اس موضوع پر دو قابل ذکر مقالات مندرجہ ذیل ہیں: "The death of a prophet and powers" اور دوسرا مقال Muhammad is not the father of any of your men

دوسری طرف جرمن اور فرنچ محققین اس طرح کی سوانح لکھنے میں کافی متحرک نظر آتے ہیں۔ جس کی مثال ذیل کی چند کتابوں سے دی جا سکتی ہے۔ " Tilman Nagel's masssive "Mohammed", Leben und Legende and Allah Liebling" اور ہشام ڈی جیٹ کی تین جلدوں پر مشتمل کتاب "La vie de Muhammad" یہ موخر الذکر کتاب اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی، تاہم اس کتاب کی اہل علم کی طرف سے مقبولیت کے بارے میں ابھی انتظار کرنا پڑے گا۔ دیکھیے ہیگن کی کتاب: "The imagined and historical Muhammad" اور شیولرز کی بائیوگرافی: "Grundsatzliches zu Tilman Nagels Nonographie"

یہ خوشی اور سکون کا مقام ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بالکل ابتدائی سیرت کی لکھی ہوئی کتاب قارئین کے سامنے پیش کر کے اس جاری بحث میں ایک اچھا خیال شامل کر رہا ہوں۔ یہ نسبتاً صاف اور سیدھا کام، اگرچہ یہ مہیب چیلنجز سے خالی نہیں، آدمی کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے اردگرد پھیلے ان بے شمار سوالات سے جان چھڑائے جو روایات کی پشت پر ہیں۔ نیز پرانی روایات کا ان کی اپنی فطرت کے مطابق مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی عطا کرتا ہے۔

اس کتاب کے اکثر مشتملات متوقع طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے واقعات سے متعلق ہیں۔ ایک لڑکا جو مغربی عرب کے علاقے حجاز میں پیدا ہوتا ہے اور غیر متوقع طور پر بچپن ہی میں پہلے اپنے والدین کے سایہ عاطفت سے محروم ہو کر یتیم ہو جاتا ہے اور پھر اپنے دادا کے سایہ شفقت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسے ہی وہ بڑا ہونے لگتا ہے مستقبل میں اس کی عظمت کی نشانیاں سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس کی جوانی کے ابتدائی دنوں میں اس کی سادگی اور انکساری کھل کر سامنے آتی ہے وہ بہت زیادہ غیر معمولی نہیں لگتے بل کہ چھٹی صدی کے آخری اور ساتویں صدی کے ابتدائی دنوں میں وہ ایک عام عرب تاجر کے طور پر ہی سامنے آتے ہیں۔ ایک تاجر بیوہ خاتون کے لیے کام کرتے ہوئے اس کے سامان تجارت کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور بالآخر اس سے شادی کرتے ہیں اس کے بعد وہ ایک معتدل اور باعزت زندگی اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کے قبیلے قریش میں ان کی عزت اور تعریف کے ڈنکے بجنے لگتے ہیں۔ اس کی زندگی اس وقت اچانک تبدیل ہو جاتی ہے جب ان کے اپنے شہر مکے سے باہر مضافات میں واقع ایک پہاڑ کے اوپر ان کی ملاقات ایک فرشتے سے اتفاقیہ ہو جاتی ہے۔ وہ فرشتہ ان کو یہ ذمے داری سونپتا ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی خدا کے پیغمبر کے طور پر گزاریں گے۔ وہ انسانیت تک اللہ کے پیغام کی ترسیل کا کام سرانجام دیں گے۔

یہ آدمی اپنے پیغام کا اعلان کرتا ہے جو توحید کا وہی پیغام ہوتا ہے جو سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو سکھایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم عبرانی بائیبل کے معزز رئیس اور یہود و عرب قبائل کے مشترک جد امجد تھے۔ درگاہ مکہ یعنی کعبے کے اردگرد ہونے والے شرکیہ عمل جس کی پشت پناہی قریش، بت پرست اور اخلاقی زوال کا شکار لوگ کر رہے تھے، کی مذمت کے باوجود اس نے جلد ہی اس معاشرے میں سخت مشکلات کا سامنا کیا، جس کے پرانے نظام سے معاشی اور سیاسی طور پر اس نے فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ قریش نے پیغام نبوت کو اپنے روزگار اور طاقت کے لیے خطرہ قرار دیا۔ جلد ہی پیغمبر اور اس کے ابتدائی پیروکار مصائب اور ایذا رسانی کی سخت چٹان پر پہنچ گئے۔ اب اللہ نے اپنے بندوں کی مدد کی، مکے کے شمال کی جانب ایک شہر یثرب کے رہنے والے دو جنگجو قبائل اوس و خزرج نے پیغمبر اور اس کے

پیروکاروں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تاکہ وہ ان کے درمیان رہیں، اورانہوں نے مکے والے پیغمبر کے پیغام امن کو قبول کیا۔

ایذارسانی سے بچنے کے لیے پیغمبر نے یثرب کی طرف ہجرت کا وعدہ کیا۔ ہجرت کے بعد یثرب (مدینہ منورہ) میں وہ ایک کمیونٹی یا امہ کی تشکیل کرتے ہیں جس کی بنیاد قبائلی یا نسلی کے بہ جائے ایمان اور پیغمبر کی دعوت کے ساتھ وفاداری پر رکھی جاتی ہے۔ اب یثرب مدینہ یا پیغمبر کا شہر بن جاتا ہے۔ یہاں ایذارسانی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے، پیغمبر عرب کو فتح کرنے کے لیے جنگوں میں اپنے پیروکاروں کی قیادت کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے ایک نیا نظام قائم کرتے ہیں۔ یہ ابتدائی فتوحات عظیم تقدیر یعنی ان کے مذہب کی صحرائے عرب سے بھی آگے تک پھیلنے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ چناں چہ پیغمبر کی وفات کے بعد ابتدائی سوسالوں میں ہی ان کے پیروکار اسپین سے لیکر وسطی ایشیا اور وہاں سے بھی آگے تک تاریخی روایات کے مطابق پھیل چکے تھے۔

اگرچہ پیغمبر اسلام کی سیرت کے موضوع پر مذکورہ معلومات عام اور مشہور ہیں لیکن کچھ عام لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بات ہم تک قرآن کے ذریعے سے نہیں پہنچی۔ باوجود ے کہ قرآن نے مختلف اوقات میں ضمنی طور پر ایسے واقعات کی طرف اشارہ ضرور کیا ہے لیکن ایسے واقعات کو تفصیل سے کسی آسمانی صحیفے نے بیان نہیں کیا۔ اپنی انمول حیثیت کے باوجود قرآن نے پیغمبر اسلام کی سیرت سے متعلق نئی سیرت نگاری کے علم بردار جدید تاریخ نگاروں کو بہت کم معلومات فراہم کی ہیں۔ مزید براں اگرچہ ایک پیغمبر کی حیثیت سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے اپنے ابتدائی پیروکاروں کو اور پھر پوری انسانیت کو قرآن پہنچایا، مسلمانوں نے کبھی قرآن کو پیغمبر کے اپنے الفاظ یا پیغمبر کے اپنے اعمال ہونے کا خیال نہیں کیا بل کہ قرآن کے خدا کا کلام ہونے پر یقین کیا جس کے نزول کا تسلسل پیغمبر کے انتقال سے ختم ہوگیا۔ اب پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کے تفصیلی حالات زندگی جاننے کے لیے ہم مکمل طور پر قرآن کے علاوہ بعد میں مرتب ہونے والی روایات پر انحصار کرتے ہیں۔

پیغمبر کی سیرت نگاری کی تجدید نو کے لیے بہت محدود افادیت کے حامل ہونے کے باوجود مختصر مقدس صحیفہ قرآن، جس کے لفظی معنی "پڑھنا یا تلاوت کرنا" کے ہیں، ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور ان کے ابتدائی پیروکاروں کے عقائد کی درست شہادت کے لیے اب بھی ممکنہ طور پر پہلا اور مستند ذریعہ ہے۔ قرآن کو پیغمبر کے زمانے میں مصحف میں مدون نہیں کیا گیا بل کہ ان کے تیسرے جانشین خلیفہ عثمان بن عفان (۲۳ تا ۳۵ھ مطابق ۶۴۴ تا ۶۵۶) کے دور خلافت میں مدون کیا گیا، جس

پر بعد ازاں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں کام کیا گیا[۶]۔ پیغمبر اسلام کے فرامین اور اعمال کو محفوظ بنانے کے لیے عہد اول کے مسلمانوں نے ایک اور کام شروع کیا جو خاصا آہستہ لیکن سرگرمی سے بھرپور تھا، یہ عمل بھی قرآن کی تدوین کے ذرا متوازی چل رہا تھا۔ اس عمل کے نتیجے میں ایک اور مقدس مجموعہ مرتب ہوا جس کو مجموعہ احادیث کا نام دیا گیا۔ حدیث کے لفظی معنی قول کے ہیں لیکن پیغمبر اسلام کی باتوں کو اصطلاحاً حدیث کا نام دیا گیا۔ قرآن کی تدوین کے برعکس جو چند دہائیوں میں مکمل ہو چکا تھا، حدیث کی کتابوں کو مرتب کرنے میں صدیاں لگ گئیں۔[۷]

ایکسپیڈیشنز (مغازی) کے نام سے جو مجموعہ آپ کے سامنے ہے یہ حدیث کی خاص ذیلی قسم روایاتِ مغازی پر مشتمل ہے حدیث کی یہ قسم پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کے مخصوص واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس قسم کی احادیث کا انتخاب اور حدیث کی مخصوص قسم میں ان کو جمع کرنا ایک طرح سے ان کی زیادہ اہمیت کو ظاہر کرتا ہے[۸]۔ عربی زبان کا لفظ مغازی موجودہ زمانے میں مستعمل لفظ "بائیوگرافی" کا متبادل نہیں ہے۔ مغازی لفظ مغزا کی جمع ہے جس کے لفظی معنی وہ جگہ جہاں جنگی معرکہ (غزوہ) واقع ہوا ہو۔ یہاں میں نے جو عنوان "ایکسپیڈیشنز (جنگی مہمات)" کا اختیار کیا ہے اس پر بھی کام کی ضرورت ہے، جیسا کہ کچھ وضاحت اوپر کر دی گئی ہے۔ یہاں انگریزی زبان بولنے والے مخاطبین کی طرف سے بھی ایک سوال اٹھ سکتا ہے کہ اس کتاب میں بیان کی جانے والی روایات کو "محمد کی جنگی مہمات" کے عنوان کے تحت کیوں ذکر کیا جاتا ہے، سوانح حیات کا عنوان کیوں نہیں دیا جاتا؟

جیسا کہ اکثر اوقات ترجمے کے ساتھ یہ صورت حال پیش آتی ہے، یہاں بھی انگریزی میں لفظ (Expeditions) عربی زبان کے لفظ مغازی کا پورا پورا مفہوم ادا نہیں کر رہا۔ اس کتاب کے مضامین کا بہت سارا حصہ جنگی مہمات کے مضامین سے ہٹ کر ہے، اگرچہ بعض حصہ جنگی کرتبوں کی

۶۔ ڈونر کی کتاب Narratives of Islamic origins 35-63، نیورتھ کی کتاب Der Koran als text der spatantike 235-75، ہمان کی کتاب The second Masahif project، کومیرو کی کتاب La constitution du mushaf de اور عثمان کی کتاب Sanai and the origins of the Quran

۷۔ حدیث کا بہترین اور رواں تعارف نیز حدیث سے قانون کی تشکیل کے بارے میں براؤن کی کتاب Hadith موجود ہے۔ تاہم حدیث اور ابتدائی مراحل میں اس کی ترسیل کے بارے میں براؤن کا رجحان ذرا مختلف ہے۔ اس کے لیے دیکھیے رین ہارٹ کی کتاب Juynbolliana 436 off

۸۔ "Cf. Gorke, "The Relationship between Maghazi and Hadith

تاب ناکیوں سے متعلق ضرور ہے[۹]۔ لفظ مغازی پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے کیے جانے والے حملوں اور اہم جنگوں کے مخصوص مقامات کی نشاندہی کرتا ہے جب کہ دوسری طرف یہی لفظ مجازی معنوں کے لیے بھی استعمال ہو رہا ہے یعنی چھوٹے چھوٹے چھاپہ مار کاروائیوں اور جھڑپوں کے واقعات کے لیے۔ مغازی مقدس یادگار مقامات کو بھی کہا جاتا ہے یعنی ان تمام واقعات کا مجموعہ جو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ چناں چہ مغزی وہ مقام ہے جہاں کوئی یادگار واقعہ رونما ہوا ہو۔ ذرا اور پھیلائیں تو مغازی سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے پیروکاروں کے وہ تمام مقدس تاریخی واقعات ہیں جو مجموعی طور پر بعد کے لوگوں کے لیے یادگار اثرات چھوڑے ہیں۔

کتاب المغازی[۱۰] کے اس مخصوص مجموعے کا آغاز ایک مزیدار قصے سے ہوتا ہے۔ کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ معمر ابن راشد ایک ایرانی غلام تھا جس کا تعلق بصرہ سے تھا۔ وہ اسلام کی سرزمین میں قبیلہ ازد سے تعلق رکھنے والے اپنے مالکوں کا سامان تجارت لے کر داخل ہوا۔ ملک شام میں خرید و فروخت کے دوران چلتے چلتے معمر بن راشد نے مروندیوں کے ایک امیر اور طاقتور دربار تک رسائی حاصل کی، جس میں جگہ بنانے کے لیے بہت بہادری درکار تھی۔ مروندی شاہی خاندان تھا جس نے اموی خلافت کے دوران دوسری صدی کے نصف اول تک حکومت تھی۔ جب معمر دربار میں داخل ہوا تو خوش قسمتی سے وہاں ایک شادی کی تقریب میں شاہی ضیافت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، پس اس تہوار کے لیے معمر کا سامان تجارت ہاتھوں ہاتھ خرید لیا گیا۔ معمر اگرچہ ایک غلام تھے لیکن شاہی خاندان نے اس کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کیا اس کے مال کو منہ مانگے داموں خرید لیا۔ معمر نے کسی حد تک جرات کرتے ہوئے کسی غیر معمولی قسم کے معاوضے کے حصول کے لیے بولنا شروع کیا اس نے صدا بلند کی کہ میں ایک غلام ہی ہوں آپ مجھے جتنے مال و دولت سے نوازیں گے وہ سب میرے مالک کے قبضے میں چلا جائے گا۔ اس مال کی جگہ بہ راہ کرم میری طرف سے اس آدمی (ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) سے بات کریں کہ مجھے پیغمبر (علیہ السلام) کی روایت احادیث تک رسائی دے[۱۱]۔ جس آدمی کی طرف معمر

۹۔ پڑھنے والوں یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ اس پوری عبارت میں لفظ جہاد صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔ دیکھیے ۱۳۔۲

۱۰۔ مغازی کے عنوانات سزگین کی کتاب Geschichte des arabischen Schrifttums میں جمع کیے گئے ہیں۔ دیکھیے ۸۸۷:b-888a1

۱۱۔ ابن عساکر: تاریخ دمشق، ج ۵۹، ص ۳۹۳

نے اشارہ کیا تھا وہ اس وقت اپنے دور کے سب سے بڑے عالم دین ابن شہاب زہریؒ (م ۱۲۴ھ/۷۴۲ء) تھے۔ درحقیقت ابن شہاب زہریؒ سے پیغمبر اسلام اور ان کے اولین صحابہ سے متعلق بے شمار احادیث مروی ہیں، جنہیں معمر ابن راشد نے اپنی اس کتاب کا حصہ بنایا ہے۔

کسی حد تک یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کا آغاز دعوت ضیافت سے ہوا ہے بل کہ یہ کتاب بہ ذات خود ضیافت کا ایک مظہر ہے یعنی مقدس یادگاروں کی دعوت ضیافت۔ یہ کتاب اپنے پڑھنے والے کو تاریخ کے بڑے ہال میں ہی داخل نہیں کرتی بل کہ یادداشتوں کے بے شمار اقتباسات اور راستوں تک بھی رسائی دیتی ہے۔ اس کے قصے ماضی کی پرانی یادوں میں انسان کو کھو دیتے ہیں۔ اس کے صفحات کو پلٹنا اور یادداشت کے مختلف ذائقے تالو کو دھو دیتے ہیں، یعنی تقدیر کے مسالے کی تیزی، سنجیدہ عقل کے تلخ وشیریں تجربات، رہائی کی مٹھاس، خوش طبعی اور مہم جوئی کے وقفے اور تقدس کی تمام روح تک سرایت کرنے والی مہک وغیرہ سب اس کتاب کا حصہ ہیں۔

مغازی کی روایات اور خصوصاً معمر بن راشد کی مغازی کی روایات کی نوعیت کوئی ایسی نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے چند رٹے ہوئے واقعات کو جمع کیا گیا ہو بل کہ یہ مضبوط روایات پر استوار ہے۔ یہ کتاب المغازی اس کڑاہی کی طرح ہے جس میں ابتدائی مسلمانوں کا حال، عروج سے آشنا نئی شاہی تہذیب و تمدن کی کیفیت، اپنے تمام تصورات و خیالات میں اپنے آقا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہم آہنگی اور حال ہی میں فتوحات کی خوشیوں کو سمیٹنے کے ذائقے شامل ہیں۔ مسلمانوں نے ان روایات کو محفوظ کیا اور جمع کیا اس وجہ سے کہ اس نئی وجود میں آنی والی جماعت نے اپنی منزل کی طرف سفر کے دوران وہ عجیب مناظر دیکھے جن کا آغاز سفر میں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

کتاب المغازی کا آغاز و تالیف

جاننا چاہیے کہ یہ کتاب المغازی کوئی عام روایتی طرز پر لکھی جانی والی کتاب نہیں ہے کہ ایک مولف اس کی تالیف کرتا ہے بل کہ یہ استاد شاگردوں کی مشترکہ کوششوں کے ایک طویل سلسلے کا نتیجہ ہے جس میں تین جید علماء مصروف رہے۔ ان میں سے مدینے کے ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ)، بصرے کے معمر ابن راشد (م ۱۵۳ھ) اور صنعا کے عبدالرزاق ابن ہمام (م ۲۱۱ھ) شامل تھے۔ مذکورہ لوگوں میں سے خاص کر آخر کے دو حضرات کی کوششوں سے کئی کتابیں وجود میں آئیں اور ہم تک پہنچیں، کتاب

المغازی ان میں سے ایک ہے (۱۲)۔ استاد شاگرد کی باہمی کوششوں کے اس سلسلے وار حصے کو سمجھنا اس لیے اہم ہے کہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یہ کتاب کیسے وجود میں آئی؟ بل کہ اس کتاب کی ساخت کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔ اس سلسلے میں روایات کے لیے کئی طریقے اپنائے گئے، مغازی یا مبہمات سے متعلق موجود روایات کو شامل کیا گیا، زیادہ حصہ ابن شہاب زہری کے خطبات میں سے شامل کیا گیا جنہیں معمر ابن راشد نے اپنے استاد سے درس لیتے ہوئے محفوظ کیا تھا بعد میں اپنے طلبہ کو درس دیتے ہوئے اپنے استاد کے درسی نکات کے ساتھ اپنی آرا کو ضمناً شامل کیا، اور یہی نہیں بل کہ اپنے کچھ دوسرے چھوٹے اساتذہ کی روایات وآراء کو بھی اپنے درس میں شامل کیا۔ ان تمام کو معمر کے شاگرد عبدالرزاق بن ہمام نے ایک مسودے کی شکل میں لکھ کر محفوظ کیا، جو آج مغازی معمر بن راشد کے نام سے ہمارے پاس محفوظ ہے۔ (۱۳)

یہ جو کہا جاتا ہے کہ معمر بن راشد، روایتی طور پر مصنف یا مولف کی تعبیر کے مطابق اس کتاب کے مصنف نہیں کہلا سکتے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معمر اس کتاب کی عبارات کا بہ راہ راست ذمے دار بھی نہیں۔ ان کو مصنف ہی کہنے پر اصرار کرنا میری صواب دید نہیں، تاہم میرے اندازے کے مطابق وہ مصنفی کے معیار پورا اتریں یا نہ اتریں، بہ ہر حال معمر ہی وہ مرکزی شخصیت ہے جو اس کتاب کی عبارات کی ذمہ دار ہے۔ اس کے باوجود اس مغازی کی کتاب میں کئی ایسی آوازیں شامل ہیں جو معمر کے علاوہ ہیں مثلاً ان کے استاد ابن شہاب کی آواز اور کبھی کبھار ان کے شاگرد عبدالرزاق بن ہمام کی آواز شامل ہیں اس بات کی وضاحت کی بھی ضرورت ہے۔

وہ سادہ نکتہ جس سے کام کا آغاز ہونا چاہیے یہ ہے کہ قدیم عربی ادبی عبارات کی ادبی خصوصیات کو ڈھونڈا جائے جو دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں ظہور پذیر ہوئیں، اور اس دوران روایت ہوتے

۱۲۔ یہ کام پیغمبر کی روایات کے دو مجموعوں پر مشتمل ہے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ اور عبدالرزاق کی تفسیر قرآن۔ اس کے لیے دیکھیے ہیرلڈ موٹزکی کتاب "عبدالرزاق الصنعانی"

۱۳۔ بوئے خوف وینڈر دورٹ نے اپنی کتاب The Kitab al Maghazi p.29-30 میں حال ہی میں عبدالرزاق کی وہ روایات جو انہوں نے صرف معمر سے حاصل کی ہیں، کو مرتب کر کے پیش کیا اور اس میں دعویٰ کیا ہے کہ کتاب المغازی کا ۹۳ فیصد سے زائد مواد انہوں نے معمر سے حاصل کیا ہے، تاہم ان کے اعداد و شمار میں غلطی کا احتمال ہے۔ کیوں کہ وہ بسا اوقات عبدالرزاق کے اپنے تفسیری اور تشریحی مواد کو بھی معمر سے روایت میں شمار کرتے ہیں۔ حقیقت میں زیادہ تر روایات عبدالرزاق نے معمر سے ہی حاصل کی ہیں البتہ بعض مختصر روایات اور ایک دو طویل روایات جو فاطمہ کی شادی سے متعلق ہیں خود عبدالرزاق نے شامل کی ہیں۔

والی تحریرات پر چھائی رہیں۔ اس زمانے کی ایک اہم ادبی خصوصیت اسناد و خبر کے ذریعے سے بات پہنچانے کا طریقہ تھا۔ یہ اہم ترین روایت تھی جو بلڈنگ کے بلاکوں کو مقدس، تاریخی بل کہ ادبی حکایات کو بھی اہم بنا دیتی تھی۔ یہی اسلامی تاریخی تحریرات کی واقعاتی خصوصیات کو امتیازی شان عطا کرتی اور عربی ادب کو بھی عظمت عطا کرتی تھی[۱۴]۔ لفظ خبر اور اس کا مقدس مترادف لفظ حدیث کے معنیٰ ہیں بیان کرنا، بتانا یا محض بات کرنے کے ہیں۔ لفظ حدیث کے لیے ان میں سے آخری معنی زیادہ مناسب حال ہے کیوں کہ پیغمبر کی باتوں کو عام طور پر حدیث کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف لفظ اسناد سے مراد شخصیات کے ناموں کا وہ سلسلہ ہے جو بیان ہونے والی خبر کی سچائی کی تصدیق کے لیے مددگار ہے۔ تحریری عبارت کی تصدیق کے لیے شخصیات کے ناموں کی ایک زنجیر بیان کی جاتی ہے جو خبر کو ایک سے دوسرے تک پہنچاتے ہیں۔ اس طرح یہ خبر اصل کہنے والے تک پہنچائی جاتی ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے دوران صورت حال یہ ہے کہ معمر ابن راشد کے شاگرد عبدالرزاق اپنے استاد کی روایات کو یاد کرتا ہے اور لکھ کر اپنے پاس محفوظ کرتا ہے، لیکن اس کے علاوہ وہ سلسلہ سند کے رواۃ کے نام بھی یاد کرتا ہے، جس کا حوالہ استاد یعنی معمر اپنی روایت بیان کرنے سے پہلے دیتے ہے۔ راویوں کی یہ سند شاید بہت پیچھے یعنی ہر واقعے کے چشم دید گواہ تک جاتی ہے تاہم یہ عمل ہر جگہ نہیں دہرایا جاتا۔ اسناد کا یہ سلسلہ مجموعی طور پر اپنایا جاتا ہے۔ بعد میں کسی موقع پر جب عبدالرزاق کسی روایت کو منسوب کر کے بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو معمر کو اپنے استاد راوی کے طور پر بیان کرنے کے بعد ان سے اوپر کے سلسلۂ سند کو پورا بیان کرتے، اور پھر آخر میں وہ روایت بیان کرتے جو معمر کے واسطے سے ان کو ملی تھی۔ اسناد کا حوالہ دینے کا عمل اگرچہ ایک متروک اور پرانی روایت ہے لیکن یہ اب بھی موجود ہے آج کے مسلمان اپنی روایات کا حوالہ دے کر پہلے دور کے مسلمانوں سے اپنا سلسلہ سند جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔[۱۵]

روایات کا بیان عام طور پر مختصر ہوتا ہے لیکن مغازی کی نوع میں واقعات یا خبر کا بیان نسبتاً طویل ہو سکتا ہے۔ خبر کا جھکاؤ عام طور پر اختصار کی طرف ہوتا ہے، اس سلسلے میں قوانین اسلام اور دیگر اسلامی روایات کے اختصار کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں ایک اہم نکتہ جو ذہن میں رکھنے کے قابل ہے وہ یہ

۱۴۔ ڈونر کی کتاب Narratives 225-70، روبنسن کی کتاب Islamic Historiography, 15-17,92-93

۱۵۔ براؤن کی کتاب Hadith, 4 f.

ہے کہ یہ روایات جو مختصر عبارات کے ٹکڑوں پر مشتمل ہیں، ابتدائی مسلمانوں میں کسی کتاب اور مرتب مجموعہ روایات کی جمع وتدوین سے پہلے بہ ذات خود پیدا ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ترسیل ووصول ابتدائی زمانے میں محض زبانی اور سماعت پر منحصر تھی۔ اس طرح کی روایات کو ابتدائی زمانے کے مسلمانوں نے قیمتی موتیوں کی طرح جمع کیا اور ہر ایک روایت کی انفرادی خوب صورتی اور قیمت کا اندازہ لگا کر محفوظ بنایا گیا۔ پھر بعد میں موتی جمع کرنے والے شخص کی طرح ان قیمتی روایات کو یک جا ترتیب دے کر پرویا گیا اور یوں ایک درمیانے درجے کا ہار بن گیا جسے پہلی کتاب کا نام دیا گیا۔ روایات پر مشتمل اس طرح کی کتابیں متنوع موضوعات اور دل چسپیوں کے تحت الگ الگ ترتیب دی جاسکتی ہیں، مثلاً قانون اور روایات مسائل کی کتابوں کو فقہ کے زمرے میں، بعض کو تفسیر کے زمرے میں جب کہ پیغمبر اسلام اور ان کے پیروکاروں کے حالات زندگی کو پیش کرنے والی کتابوں کو سیرت کے عنوان سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ روایت شدہ مواد کو منضبط طریقے سے پیش کرنے سے ابتدائی مسلمانوں کی تاریخ نگاری کا پہلو بھی نمایاں ہوکر سامنے آتا ہے۔[۱۶]

قطعی طور پر باقاعدگی کے ساتھ یہ بتانا ذرا مشکل ہے کہ مغازی لٹریچر کا آغاز کب ہوا تھا؟ کیوں کہ اس نوع کی ابتدائی مثالیں ہم سے کھو گئی ہیں، یا ان میں بعض جزوی طور پر محفوظ ہیں بل کہ بعض اوقات تو تیار شدہ مسودہ بھی غائب ہوا ہے۔ معمر ابن راشد کے اہم ترین استاد ابن شہاب الزہری مدنی مغازی کی روایات کے اہم ترین راوی اور دریافت کنندہ ہیں۔ لیکن اسلامی روایات ان سے بھی پہلے کی بعض شخصیات کو اس نوع کے موجد قرار دیتی ہیں ان میں سے دو کے نام یہ ہیں۔

ابان بن عثمان (۵۔۱۰۱ھ) جو تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے صاحب زادے تھے، ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں پہلے نمبر پر تھے جنھوں نے پیغمبر اسلام کی سیرت اور ان کے مغازی پر کتابیں لکھی تھیں[۱۷]۔ ابان کی سیرت نگاری کے بارے میں عباسی دور کے ایک تاریخ نگار زبیر بن بکر (م ۲۵۶ھ) نے تذکرہ کیا ہے۔ اس کے مطابق انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی سے متعلق واقعات لکھنے کا منصوبہ ۸۲ ہجری میں ایک اموی شہزادے کے ایما پر شروع کیا۔ بعد میں خلیفہ سلیمانؒ بن عبدالملک نے ابان کو سامان کتابت، لکھنے کیلیے چمڑے کے پارچے اور دس کاتبین بھی فراہم کیے۔ لیکن سلیمان اس وقت سخت ناراض ہوا جب اس نے ابان کی محنت کا ثمرہ دیکھا، یعنی کتاب کو پڑھا، کہ کتاب

۱۶۔ ڈونر کی کتاب Narratives, 280 ff.

۱۷۔ دیکھیے زبیر بن بکر کی کتاب موافقات ۳۵۔۳۳۲

سلیمان، خود ابان اور ان دونوں کے اموی آباواجداد کے خوشگوار تذکروں سے خالی تھی۔ اس کے بہ جائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدنی ساتھیوں اور ان کے مددگار یعنی انصار کے فضائل سے بھری ہوئی تھی۔ شہزادے نے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب کہ ان ہی لوگوں نے ابان کے والد حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث تک کو نہیں چھوڑا اور دھوکہ کیا۔ جواب میں ابان نے کہا کہ ۳۵ ہجری میں میرے والد حضرت عثمانؓ کے قتل کے واقعے میں خفیہ طور پر ان لوگوں کی شرکت کے باوجود جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ سب کا سب درست اور صحیح ہے۔ یہ جواز سنے بغیر سلیمان نے اپنے والد سے اس حوالے سے مشاورت کی، خلیفہ عبدالملک نے اس نسخے کو جلانے کا حکم دیا[۱۸]۔ یہ سب کچھ ابان کی مغازی کے بارے میں تھا جو اس کا ہلکا سا خاکہ ہے۔ اگر وہ جلائی نہ جاتی آج ہمارے پاس اہم دستاویز کے طور پر موجود ہوتی۔[۱۹]

یہ صورت حال ابان کے ایک دوسرے اہم معاصر اور مدینے کے عالم عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ/۷۱۲ء) کے لیے بھی امید افزا ہے۔ ابان کی طرح عروہ بھی مدینے کی اہم ترین شخصیت زبیر بن عوام کے بیٹے تھے۔ مزید براں ان کی والدہ دوسرے خلیفہ ابوبکر صدیق کی بیٹی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبوب بیوی عائشہ کی بہن تھیں۔ ذرا غور کیجیے عروہ کی روایات کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ ان کی سند عموماً ان کی خالہ حضرت عائشہ سے ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ غیر معمولی حیثیت کے حامل شخص تھے، جو ابتدائے اسلام کی سیاست کے طبقہ اشراف میں اہم اثر ورسوخ کے مالک تھے۔

ان کا کوئی کام اگرچہ باقی تو نہ رہ سکا، لیکن ابان کے مقابلے میں اگلی نسلوں کے کاموں پر ان کے اثرات بہت اچھی طرح محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ عہد حاضر کے محققین جنھوں نے عروہ کی روایات کا کھوج لگانے کے لیے اپنے کو وقف کر رکھا ہے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگرچہ عروہ کی روایات اپنے اصلی

۱۸۔ دیکھیے ہوروویٹز کی کتاب Earliest Biographies, 6-11, 30۔ سلیمان بن عبدالملک کی روایت الزبیر بن بکر سے ہے دیکھیے الموافقات ۳۵۔۲۲۳، مختصر ورژن بلاذری کی کتاب الانساب میں آیا ہے۔ زبیر بن بکر کی طرف سے ان واقعات کی تاریخ ذکر کی گئی ہے اس میں ممکن ہے کہ ایک آدھ سال کی کمی بیشی ہو۔ دیکھیے EI3, ابان بن عثمان

۱۹۔ اپنے کام کا خاکہ جمانے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ اس کا کام بعض اوقات الجھن پیدا کرتا ہے اور دوسرے مصنف کے اسی نام یعنی کتاب المغازی نام کی کتاب سے اشتباہ ہوجاتا ہے جو ایک شیعہ عالم ابان بن عثمان الاحمر البجلی متوفی ۲۰۰ھ کی ہے تاہم یہ کتاب بھی ضائع ہوگئی ہے۔ البتہ اس کا کچھ حصہ امین الدین الطبرسی کے ذریعے محفوظ رہا۔ جو ان کی سیرت کی کتاب علام الوری کا حصہ ہے۔ دیکھیے مدرسی کی کتاب "حفاظت روایات" ص ۱۳۰ اور جرار کی کتاب Early Shi i sources

الفاظ کے ساتھ محفوظ نہیں لیکن عمومی روایات کے خدوخال سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے کم ازکم سات واقعات، مثلاً پہلی وحی، مدینہ کی ہجرت اور کئی غزوات شامل ہیں کا کھوج عروہ کی روایات کی حیثیت سے لگایا جاسکتا ہے۔[۲۰] حقیقت میں جب حوالہ جات کی بات کی جائے تو اس زیر مطالعہ مغازی کے نسخے میں بھی عروہ سے ثابت شدہ روایات معمر کے استاد شہاب زہری کے توسط سے بنیادی طور پر آگئی ہیں۔ کئی لکھے ہوئے خطوط جو عروہ کی طرف منسوب ہیں جن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کو زیر بحث لایا گیا ہے، بھی ظاہری طور پر بعد کے تاریخ نگاروں کے کاموں میں نظر آتے ہیں مثلاً ابو جعفر الطبری (م ۳۱۰ھ) کی کتاب وغیرہ میں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تمام خطوط اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھے گئے تھے جب کہ ان کی شہرت اس طرح کے کاموں کے خلاف ہونے کی ہے جس کا مشاہدہ اوپر ابان بن عثمان کے نسخے کو جلائے جانے سے ہوگیا ہے[۲۱]۔ اس کے مقابلے میں وہ قرآن وسنت کی ترویج کے زیادہ حامی تھے۔ اب عہد حاضر کی دہائیوں میں عروہ اور ان کے تحریر کردہ نسخے کے میں بارے میں ہماری معلومات میں اضافے کے بہ جائے بس چند لکیریں ہیں جن کو پیٹا جارہا ہے اور ان کے بارے میں قیاس آرائیاں ہورہی ہیں۔ چناں چہ اس نسخے کے بارے میں اس وقت بھی بھرپور طریقے سے بحث مباحثہ جاری ہے۔[۲۲]

زیر مطالعہ مغازی کے مصنف معمر بن راشد ۹۶ھ / ۷۱۴ء میں پیدا ہوئے اور عروہ وابان کے بعد دو نسلوں تک وہ متحرک رہے۔ معمر عرب کے ایک طاقت ور قبیلے ازد کی ذیلی شاخ حدان کے موالی یعنی آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے، عرب کے اس قبیلے کا معمر کی جائے پیدائش بصرہ اور عمان کے علاقوں پر بڑا گہرا اثر ورسوخ تھا۔ اس دور کے کئی اور علما کی طرح معمر کا تعلق بھی ایرانی نسل سے تھا، لیکن اسلامی فاتحین کے اعلیٰ خاندان کے بیچ اپنی ساری زندگی گزارنے، ان کے مذہب اسلام اور تہذیب وتمدن میں مکمل طور پر اپنے آپ کو مدغم کرنے اور ان کی زبان کو مکمل طور پر اپنانے کی وجہ سے اس نے یہ سب کچھ

۲۰۔ گور کے اور شیولر کی کتاب Die alteste Berichte, 258 off., 289 cf. اور گور کے کا انگریزی خلاصہ Prospects and Limits, 145 f.

۲۱۔ دیکھیے بلاذری کی کتاب الانساب: ج ۴۔ ص ۴۹۰۔ شیولر نے خیال ظاہر کیا ہے کہ عبدالملک نے بعد میں اپنا رجحان بدل دیا تھا تاہم اس نے وجہ نہیں بتائی۔ دیکھیے شیولر کی بائیوگرافی: ص ۳۱

۲۲۔ شومیکر نے عروہ کی سیرت کی تلاش میں عروہ کی روایات کو بعد کے مآخذ میں تلاش کی جدید کوشش پر پوری تنقید کی ہے۔ اس کے لیے دیکھیے first century sources

اپنا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کا آبائی علاقہ بصرہ کوئی ایرانی شہر نہیں تھا بل کہ عرب فوج کے لیے قلعے کے طور پر ایرانی آبادی کے کھنڈرات پر بنایا گیا تھا، جس سے پہلے یہاں شط العرب کے کنارے وہشت آباد اردشیر کے نام سے ایک آبادی تھی۔ اسلامی فاتحین کے ابتدائی لوگوں نے جنوبی عراق کے اس دلدل سے گھرے ہوئے علاقے میں سن ۱۴ھ /۶۳۵ء میں کچھ تعمیرات کی تھیں۔ اس کے بعد جلد ہی انہوں نے دم توڑتے ہوئے ساسانی خاندان کی ایرانی فوجوں کو مغلوب کیا تھا۔ چناں چہ معمر کی زندگی کے دوران بصرہ نے اسلامی فتوحات اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مرکز کی حیثیت سے اپنا مقام جاری رکھا۔ معمر نے اپنے ازدی قبیلے کے آقاؤں کے لیے غلام کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، تاہم وہ گھریلو قسم کے غلام نہیں تھے بل کہ وہ اپنے مالکوں کے لیے کپڑے اور زیب وزینت کی اشیاء کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اس طرح کے غلام عام تھے کہ وہ تجارت، دستکاری یا سوداگری میں مہارت رکھتے تھے اور کچھ پابندیوں کے ساتھ روزگار کرتے اور اس میں سے مال گزاری اپنے مالکوں کو ادا کرتے، جس کے صلے میں ان کے مالکان ان کو اسلامی مفتوحہ علاقوں میں وقار، دولت اور طاقت تک رسائی دلاتے۔

معمر کے اپنے مالکوں کے ساتھ تعلقات بھی اسی طرح کے معاوضے کا تقاضا کرتے ہیں، لیکن ان کی کوئی ذمے داری ان کی آزادانہ حرکتوں اور دوسروں سے تعلقات کے سامنے مزاحم نہیں تھی۔ اس نے اپنی عمر کے ابتدائی حصے میں ہی تعلیم حاصل کرنا شروع کی، اور قرآن وحدیث پڑھنا شروع کیا۔ اس نے اپنے علاقے کے مشہور علماء سے استفادہ کیا، مثلاً قرطبہ بن دیامہ (م ۱۱۷ھ) اور حسن بصری (م ۱۱۰ھ) سے علم سیکھا۔ اور حسن بصری کے جنازے میں اپنے عنفوان شباب میں شرکت کی۔ حقیقت میں یہ تجارت ہی تھی جس نے اس کو اپنے علاقے سے باہر تک سفر کرنے اور علم سیکھنے موقع فراہم کیا۔ ایک وقت میں اس کی تجارت اسے حجاز لے گئی جو اس وقت اسلامی معاشرے کا مذہبی اور تمدنی مرکز تھا اور شام لے گئی جو اموی خلفاء کا سیاسی مرکز تھا اور ایبیریا سے وسطی ایشیا تھا پھیلا ہوا تھا، یہیں سے معمر نے اپنی مغازی کی روایات پر کام کرنا شروع کیا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام ممکنہ طور پر ۱۳۲ھ سے اوپر کا حصہ صنعا یمن میں گزارے، وہاں شادی کی اور ۱۵۳ھ میں وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

اس مغازی کا اکثر حصہ معمر بن راشد نے اپنے استاد مدنی عالم ابن شہاب الزہری سے حاصل کیا ہے۔ اپنے باکمال شاگرد محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) کے بعد ابن شہاب زہری قسم مغازی کی روایات کے

سب سے بڑے راوی ہیں۔ معمر نے پہلی مرتبہ اس وقت ابن شہاب زہری سے اچانک ملاقات کی، جب وہ اپنے ازدی مالک کے لیے تجارتی سامان لے کر مدینے گیا تھا۔ متجسس اور اپنے علاقے کے علما سے حاصل کر کے بنیادی علم سے آگاہی رکھنے والے معمر نے یہ فیصلہ کیا کہ طلبہ کی عظیم جھرمٹ میں پڑھانے والے مدینے کے اس بڑے عالم سے استفادہ کیا جائے چناں چہ ان کے تلامذہ میں شامل ہو گئے [۲۳]۔ زہری کی ملاقات نے معمر کو بہت زیادہ متاثر کیا اگرچہ یہ ملاقات کوئی بہت زیادہ طویل نہ تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ مدینہ میں زہری سے ان کی ملاقات نوجوان متجسس تماشائیوں جیسی تھی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ زہری علمی سرگرمیوں کی انجام دہی کے لیے اموی دربار رصافہ منتقل نہ ہوئے اور خلیفہ وقت عبدالملک کے بیٹے ہاشم کی تعلیم پر (۱۰۵۔۱۲۳ھ) تک مامور نہ ہوئے۔ اس کے بعد معمر ایک مرتبہ پھر علمی استفادے کے لیے حاضر ہوئے۔

ابن شہاب زہری مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ جن کی شروعات سماجی حیثیت کے اعتبار سے معمر کی غلامانہ زندگی کے مقابلے میں کہیں اعلیٰ تھی کیوں کہ زہری فاتح اشرافیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ صرف عرب اور مسلمان ہی نہ تھے بل کہ مکہ کے قریش خاندان کے زہرہ قبیلے کی نسل سے تھے جس کی صلب سے اسلام اور شاہی خاندان پھوٹ پڑے تھے۔ قریش اسلام، اس کی تفصیلات اور سیاست پر شروع دن سے حاوی تھے۔ ابن شہاب زہری کے کئی طلبہ کا تعلق معمر کی طرح غیر عرب خاندانوں سے تھا لیکن زہری نے خود اپنا علم قریشی صحابہ اور ان صحابہ سے حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جنہوں نے پیغمبر اسلام کو مدینہ میں پناہ دی اور ان کی مدد و نصرت کی [۲۴]۔ درحقیقت ابن شہاب خود اپنے علم کو چار علم کے سمندر یا بحور علم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور وہ چار یہ ہیں۔ سعید ابن المسیب (م ۹۴ھ/۷۱۳ء)، عروہ ابن الزبیر (م ۹۴ھ/۷۱۲ء)، ابوسلمہ بن عبدالرحمان (م ۹۴ھ/۷۱۲ء) اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ (م ۹۸ھ/۷۱۶ء وغیرہ [۲۵]۔ مزید براں ابن شہاب اس وقت اموی خلفا ان کے خاندان اور خلافت کے معاملات میں پوری طرح مداخل تھے جب کہ دیگر اہل علم ان خلفاء سے مراسم رکھنے کو عیب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے ہم عصر شامی عالم

۲۳۔ ابن عساکر۔ تاریخ دمشق: ج ۵۹، ص ۳۹۳

۲۴۔ ابن سعد طبقات: ج ۲ (ط ۲)، ص ۱۳۵۔ من ابناء المہاجرین والانصار

۲۵۔ ابن ابی خیثمہ۔ تاریخ: ج ۲، ص ۱۲۷۔۱۲۸، فضاد المعرفہ: ج ۱، ص ۴۷۹

مکحول (م ۹۸ھ) افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ ابن شہاب زہری کتنے بڑے آدمی ہوتے اگر وہ اپنے آپ کو ان بادشاہوں سے دور رہ کر بد عملی سے بچاتے۔ (۲۶)

خلیفہ ہشام زہری کو مدینے سے اپنے دربار رصافہ لے آیا وہاں وہ تقریباً دو دہائیوں تک دربار سے وابستہ رہے یعنی ہشام کے پورے دور خلافت انیس سال کے دوران، اس دوران وہ کبھی کبھار ہی دربار سے باہر رہے (۲۷)۔ فرات کے جنوب میں واقع رصافہ کسی وقت شامی بازنطینی شہر ہوتا تھا، جس کا نام سرجیوپولس تھا۔ اور یہ شہر عربی بولنے والے عیسائی قبائل کے زائرین کے لیے زیارت کا مرکز ہوتا تھا۔ جہاں وہ شہید سینٹ سرجیس اور دیگر چرچز کی زیارت کیا کرتے تھے۔ ہشام نے اس شہر کی تجدید نو کی اور اپنے دربار کی حیثیت سے دوبارہ تعمیر کرایا۔ اس کی بلڈنگیں، مساجد، محلات اپنے تالابوں کی وجہ سے مشہور ہوئے (۲۸)۔ یہاں ہشام نے زہری کو مجبور کیا کہ وہ پیغمبر اسلام کی سیرت کی روایات کو مرتب کرے اور اسی طرح دیگر علمی کام کرے۔ یہ عمل تقریباً اس وقت کے علما کی چاہت کے خلاف تھا، کیوں کہ اس وقت تک پیغمبر اسلام کی روایات کو لکھنا ایک متنازع فیہ معاملہ تھا۔ ہشام کے کمیشن میں کئی کاتبین بھی تھے جن کی ذمے داری تھی کہ وہ زہری کے لیکچرز کو لکھیں، تاکہ وہ اس مکتوب کو اموی خلیفہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ (۲۹)

رصافہ کے شاہی دربار میں زہری کی رہائش کے دوران معمر تجارت کی غرض سے اپنا سامان تجارت لے کر پہنچا۔ وہاں شادی کی ایک تقریب چل رہی تھی معمر نے شرکاء سے درخواست کی کہ اسے زہری سے ملنے کا موقع دیا جائے چناں چہ ایسا کیا گیا۔ خود معمر کا اپنا بیان ہے کہ اس نے اپنی اکثر مرویات زہری سے اس وقت لیں جب وہ رصافہ میں شاہی اموی دربار سے منسلک تھے (۳۰)۔ معمر نے زہری

۲۶۔ بائیوگرافی نوٹس میں لیکر کا حوالہ دیتے ہوئے: لیکر بیان کرتا ہے کہ الزہری نے کم سے کم تین خلفا کے ہاں قاضی (جج) کے طور پر کام کیا ہے اور منتظم کی حیثیت سے ٹیکس جمع کیا ہے بل کہ خلفا بنو امیہ کے ہاں فوج کے اعلیٰ ترین منصب کا لباس بھی زیب تن کیا ہے۔

۲۷۔ فصاوی، معرفۃ۔ ج ۱۔ ص ۶۳۶۔ cf. Lecker, Biographical notes, 32,33,46

۲۸۔ گوڈٹی کی کتاب Contiguity between Churches and Mosques p.20 ff.

۲۹۔ لے کر کے Biographical Notes 25-28 اور سی الیف کوک کی کتاب The opponents of the writing of tradition, p. 459-62 اور شیولر کی کتاب Oral and Written p.140,141

۳۰۔ ابونعیم۔ حلیہ: ج ۳، ص ۳۶۳، ابن عساکر۔ دمشق: ج ۵۹۔ ص ۳۱۲ علم کو جمع کرنا اور پھیلانا۔ دیکھیے ڈیروشے کی کتاب Quran of the Umayyads 70 Arabic Manuscript 65 ff. گیسک کی القاضی کی کتاب How sacred is the text of an Arabic Medieval Manuscript 28 f.

سے روایات دو طریقوں سے حاصل کیں پہلا طریقہ سماع کا تھا یعنی درس میں بہ ذات خود استاد سے سن کر، جب کہ دوسرا طریقہ عرض کا تھا کہ استاد سے سنی ہوئی روایات کو خود استاد کے سامنے پڑھ کر پیش کرتے اور غلطیوں کی اصلاح کرواتے۔ اپنے استاد سے حصول روایت کے دونوں طریقے مل کر اہل علم اور علما کا معمر کی روایات پر اعتماد بڑھاتے ہیں[۳۱]۔ یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ معمر صافہ میں رہا ہو یا کم سے کم علاقہ شام میں رہا ہو اور زہری کے ۱۲۴ھ میں انتقال کے بعد بھی رہا ہو۔ وہ اس بات کا عینی شاہد رہا ہے کہ ایک فوجی بغاوت میں الولید ثانی کی موت کے بعد یزید ثالث کے غالباً حکم سے زہری کے دفاتر یعنی مکتوبات کو کسی نامعلوم مقام پر منتقل کیا جارہا تھا یہ دفاتر اتنی مقدار میں تھے کہ باربرداری کے جانوروں کے ذریعے اٹھوائے جارہے تھے۔ یہ واقعہ جمادی الثانی ۱۲۶ھ میں پیش آیا۔[۳۲]

بغاوت میں ولید ثانی کا تختہ الٹنے کے بعد دربار شام تشدد کے گرداب میں پھنس گیا اور اس تشدد نے زندگی اجیرن کردی، حتیٰ کہ ان تنازعات کے بعد خود اموی خاندان بھی نہ بچ سکا اس تمام صورت حال کو تیسرا بڑا فتنہ قرار دیا گیا۔ حل قضیہ اس تنازعہ کا یہ نکلا کہ ۱۳۲ھ میں ایک دوسرا شاہی خاندان خلافت عباسیہ کے نام سے ابھرا[۳۳]۔ ممکنہ طور افراتفری کا یہ عالم ہی تھا جس نے معمر کو یہ علاقہ چھوڑنے اور جنوب میں صنعا یمن کی جانب کوچ کرنے کا سبب بنا۔ اس وقت یمن کے علاقے میں علما کی کمی تھی چناں چہ معمر کو غنیمت جان کر علاقے والوں کی طرف سے فوراً ان کی شادی علاقے کی کسی خاتون سے کروانے کا انتظام کیا گیا، تاکہ وہ اس بندھن میں بندھ کے اس علاقے میں مستقل رہ سکے۔[۳۴]

۳۱۔ ابن سعد۔ طبقات: ج ۲، ص ۱۳۶، فصاوی، معارف: ج ۱، ص ۴۷۹، ۶۳۷۔۳۸، ابن عساکر۔ دمشق: ج ۵۹، ص ۴۰۰۔ The opponents of the writing of tradition 459-60۔ ان تحریرات و مسودات کی قسمت معلوم نہیں لیکن یہ بات اہم ہے کہ زہری کے انتقال کے بعد الولید ثانی کی اس سے شدید نفرت وعداوت کے باوجود یہ باقی رہے۔ مبینہ طور پر خلیفہ اعلان کیا کہ وہ اس عالم کو قتل کرواسکتا تھا لیکن ایسا نہیں کیا۔ دیکھیے ہوروونزی کی کتاب Earliest Biographies 58,59۔ یہ نفرت ظاہری طور پر باہمی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس نفرت کی وجہ یہ تھی کہ زہری نے زید بن علی کو پیش کش کی تھی کہ وہ اپنی بغاوت فی الحال ملتوی کرے۔ تاکہ ہشام کے بعد ولید ثانی کی خلافت کے دور میں وہ بھی اس کا ساتھ دے سکے۔ لیکن زید نے زہری کے مشورہ پر عمل نہیں کیا اور بغاوت کے نتیجے میں ہشام ہی کے زمانے میں گرفتار کر کے ۱۲۲ھ میں پھانسی دی گئی۔ دیکھیے بلاذری کا انساب: ج ۲، ص ۲۱۶، اور انتھونی کی کتاب Crucifixion 46 ff.

۳۲۔ سی ایف روبنسن کی کتاب The violence of the Abbasid revolution

۳۳۔ ابن عساکر۔ دمشق۔ ۵۹/ ۴۰۸

۳۴۔ ابن عساکر۔ دمشق: ج ۳۶ ص ۱۷۳، ۱۷۶۔ سی ایف ہوروونزی کی کتاب Earliest Biographies, 37

یمن میں سکونت کے دوران معمر کے ہونہار اور سب سے زیادہ مشہور طالب علم عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رہے۔ ۱۵۳ھ میں اپنے انتقال تک یمن میں شہرت کے ساتھ گزارنے والے تقریباً بیس سالوں میں سے اپنے مشہور شاگرد عبدالرزاق بن ہمام کے ساتھ گزرنے والا دور صرف سات یا آٹھ سالوں پر محیط ہے[۳۵]۔ معمر کے علوم کی حفاظت کے حوالے سے عبدالرزاق کی کوششوں کی اہمیت بہت اہم ہے۔ عبدالرزاق کا ذاتی کام بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ دس جلدوں پر مشتمل کتاب مصنف عبدالرزاق کے نام سے اپنی ذاتی کوششوں سے مرتب کی۔ اور عبدالرزاق ہی وہ پہلے عالم ہیں جنھوں نے مغازی معمر بن راشد کے نام سے ایک قابل قبول کتابی شکل میں معمر کی روایات کو مرتب کیا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا۔[۳۶]

کسی مسلمان عالم نے بھی محض اپنی علمیت کے اظہار کے لیے کتاب نہیں لکھی، حقیقت میں ذاتی یادداشت کے علاوہ کسی بھی مقصد کے لیے کتاب رکھنا انسان کی علمی شہرت کو نقصان پہنچاتا تھا، اس سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کا علم اس کے دل و دماغ میں نہیں بل کہ کتابوں میں ہے۔ لہٰذا وہ پڑھا لکھا نہیں کہلاتا تھا[۳۷]۔ اس طرح سے ایک عالم درس دیتا اور لوگ بہ راہ راست اس سے استفادہ کرتے، یعنی یہ عام طریقہ کار تھا کہ ذاتی مخطوطات انفرادی طور پر پڑھنے کی چیزیں ہوتیں اور عام مجمع میں بغیر کتاب درس دیا جاتا تھا اور ہر سننے والا اپنا اپنا نوٹس لیتا۔ یہ زہری ہی کی خصوصیت تھی کہ اموی خلیفہ ہشام کی طرف سے مجبور کرنے پر ان کا علم کتابوں میں محفوظ کیا گیا۔ معمر رصافہ میں زہری کے سب سے قریبی شاگرد رہے اور ان کی سرپرستی میں علم حاصل کرتے رہے، جب زہری کے انتقال کے بعد ان کے ذاتی کتب خانے سے کتابیں منتقل کی جارہی تھیں تو سب سے پہلے وہ کتابیں معمر نے ہی دیکھی تھیں۔ کتابیں استاد اور شاگرد کے درمیان تعلقات اور تصدیق کا متبادل نہیں ہوسکتی تھیں جو لوگ محض کتابوں سے علم حاصل کرتے

۳۵۔ یہ صرف کتاب المغازی پر نہیں بل کہ معمر کی کتاب الجامع پر بھی لاگو ہوتا ہے اور کسی حد تک عبدالرزاق کی تفسیر قرآن پر بھی لاگو ہوتا ہے کیوں کہ اس کا اکثر حصہ بھی معمر کی روایات سے حاصل کیا گیا ہے۔

۳۶۔ دیکھیے کوک کی کتاب The opponents of the writing of tradition، کسٹر کے نوٹس Notes on the transmission of the Hadith، اور شیولر کے Oral and written 111-141 جو اس نوٹس میں جگہ جگہ موجود ہے۔

۳۷۔ ابن حجر۔ تہذیب: ج ۱۰۔ ص ۲۲۰۔ در حقیقت معمر کے ہم عصر محمد بن اسحاق نے دوسروں کی کتابوں کو اپنی کتاب میں انضمام کر کے تنازعہ کھڑا کر دیا ہے۔ بہ جائے اس کے کہ وہ اپنی کتاب میں صرف اس مواد کو شامل کرتے جسے علما کی صحبت رہ میں خود حاصل کیا تھا۔ دیکھیے شیولر کی بائیوگرافی، ص ۲۶

ان کی تحقیر کی جاتی تھی۔ مثلاً دمشق میں زہری کی کتاب کو کوئی خرید کر پڑھتا اور اس کتاب کے مواد کو اپنے درس میں شامل کر کے لوگوں کو پڑھاتا تو اس کو فراڈ تصور کیا جاتا اور اس کی مذمت کی جاتی تھی۔[۳۸]

پس حدیث یا علم کے بہت بڑے ذخیرے کو زبانی طور پر ایک مجلس میں پیش کرنے کو بہت بڑی قابلیت سمجھی جاتی تھی اور اس پر استاد کے علم کی بڑی ستائش بھی کی جاتی تھی۔ اس تناظر میں عبدالرزاق کا یہ بیان کہ میں نے اپنے استاد معمر کو کبھی کتاب کے ساتھ نہیں دیکھا، سوائے بہت لمبی روایات کو بیان کرتے وقت کے، کہ اس وقت وہ کتاب کو نکالتے اور اس میں سے بیان کرتے[۳۹]، عبدالرزاق کا یہ بیان معمر کی جلالت علمی کے لیے بہت اہم ہے۔ تاہم یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ تحریر شدہ مواد کا علم کے فروغ میں کوئی کردار نہیں رہا۔ اساتذہ نے اپنے قریبی شاگردوں اور معتمد لوگوں کو اپنے ذاتی نسخے بھی عطا کیے ہیں۔ اس طرح کے نسخے طلبہ کے ذاتی لیکچر نوٹس اور بعد کی نسلوں میں شائع شدہ کتابوں کے درمیان کی چیزیں ہیں۔ معمر نے ایسا نسخہ ایک موقع پر اپنے بصرہ کے ساتھی ایوب سختیانی[۴۰] کے لیے مرتب کیا جب کہ دوسرے موقع پر اپنے شاگرد عبدالرزاق الصنعانی کے لیے ترتیب دیا[۴۱]۔ مغازی کی ترتیب ایک ایسا کام ہے کہ جو معمر کے حصول علم کی جستجو کی علامت ہے[۴۲]، یعنی معمر نے زہری سے درس لیا اور اپنے استاد کے دروس کو قلم بند کیا بعد میں اس مسودے کو اچھی طرح چھان بین کے بعد اہل علم کے سامنے پیش کیا یہ کوئی زہری کا ذاتی مسودہ نہیں تھا۔ پس معمر کی مغازی اگرچہ استاد کے دروس جو اپنے تلامذہ کو دیے تھے سے ماخوذ ہے لیکن صرف یہی نہیں بل کہ اس طرح دیگر مسودات کو بھی چھان پھٹک کے بعد مختلف عناوین کے تحت اس میں شامل کر کے پیش کیا گیا ہے۔

۳۸۔ ابن عساکر۔ دمشق: ج۵۹، ص۴۱۷، ما رأینا لمعمر کتاب غیر حدیث الطوال فانہ یخرہ بلاشک

۳۹۔ ابن عساکر۔ دمشق: ج۵۹، ص۴۰۹، ۳۹۵

۴۰۔ ابن ابی خیثمہ۔ تاریخ: ج۱، ص۳۲۴۔ سی ایف کوک The opponents of the writing of tradition 469,70

۴۱۔ گنتھر کی کتاب New Results ۔ اے ایلاد کے Early systemic attempt کو Islamic histography in Syria سے تقابل کریں۔ جو گنتھر کے آرٹیکل Beginning of Historical writing 121 ff. میں موجود ہے۔

۴۲۔ ابن عساکر۔ دمشق: ج۳۶، ص۱۷۸، A. Dietrich کے مطابق اس پودے کو عقل تاباں کا خطاب دیا گیا ہے۔

بہ ہر حال اس طرح کی کتابوں کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ علم کے روایتی طریقے یعنی سماع و حفظِ روایات کے سلسلے کو ختم کیا جائے، سماع و حفظ روایات کا سلسلہ اس کے بعد بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہا، عبدالرزاق بہ ذات خود بھی بڑی دل چسپی کے ساتھ معمر کی روایات کو شاید اس لیے دھراتے اور یاد کرتے رہتے تاکہ ان کا حافظہ قوی ہو جائے [۴۳]۔ حفظ روایات بعد میں آنے والے اوقات میں بھی علمی پختگی کے لیے شرط لازم قرار دی گئی۔ اب صرف عبدالرزاق ہی تھے جن کے پاس حدیث کے بہت بڑے ذخیرے کے تحفظ کے لیے حیرت انگیز قوت حافظہ کے علاوہ قابل لحاظ وسائل بھی دست یاب تھے۔ یعنی ان کا مسودہ موجود تھا۔ عبدالرزاق جب علما کی مجلس میں شرکت کے لیے آتے تو اپنے والد اور بھائی کے علاوہ وراقون یعنی مصاحبین کی ایک جماعت بھی لے کر آتے، تاکہ وہ جو کچھ سنیں اسے نوٹ کرتے جائیں۔[۴۴]

یہ بات مسلم ہے کہ معمر بن راشد کی مغازی کی طرح دوسری عبارات کی بھی مکمل طور پر حفاظت نہیں ہو سکی ہے، یہ بات ان عبارات کے ایک بڑے حصے کے بارے میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اب تک عربی نثر ارتقاء پذیر تھا اس کی مکمل نشو و نما نہیں ہو پائی تھی۔ پیپرس پودے کے منتشر ٹکڑے جو صرف اپنی ذات کے وجود کی گواہی دیتے ہوں [۴۵]، کے استثنا کے باوجود دوسری صدی ہجری کا کوئی عربی میں تاریخی تحریر کا کام محفوظ رہ کر ہم تک نہ پہنچ سکا جس پر بعد میں نظر ثانی کی گئی ہو۔ لہذا نوع مغازی کے اہم معمار محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) کا کام موجود تو ہے، لیکن بہت ہی مختصر ہے یا ایسے نسخے موجود ہیں جن میں بعد کے اہل مثلاً ابو جعفر الطبری، عبدالمالک ابن ہشام، العطاردی وغیرہ [۴۶] نے ترمیم کر کے قابل اعتراض حصے کو حذف کیا ہے۔ لہذا معمر کی مغازی بہ ذات خود اور ان کے شاگرد عبدالرزاق کی کئی جلدوں پر مشتمل کتاب مصنف عبدالرزاق میں بھی کوئی کم بے قاعدگیاں نہیں ہوئی ہیں۔

۴۳۔ ابن ابی خیثمہ۔ تاریخ: ا ج، ص ۳۳

۴۴۔ ایک چھوٹا سا مخطوطہ شکاگو یونیورسٹی کے اورینٹل انسٹیٹیوٹ میں رکھا ہوا تھا جسے نبیہ ایبٹ نے غلط طور پر معمر کی طرف منسوب کیا تھا، لیکن بعد میں M.J Kister نے اس کی درست شناخت ایک مصری عالم اور قاضی ابن لحیہ (م ۱۷۵ھ) کے لکھے ہوئے مخطوطے کے طور پر کیا۔ دیکھیے Kister Notes on the papyrus text۔ ایک اور ایسا ہی چھوٹا سا مسودہ جو اوائل تیسری صدی ہجری میں لکھا گیا وہب بن منبہ کی طرف منسوب ہے۔ دیکھیے خورئے کی کتاب "وہب بن منبہ"

۴۵۔ شیولرۃ Biography 32-34

۴۶۔ ابن اسحاق اور عباسیہ پر۔ دیکھیے ہورووٹز کی کتاب earliest biography 79-80 اور سلہیم کی کتاب prophe, chalif and geschichte

یہاں دو کام معمر بن راشد اور محمد بن اسحاق کے کام کو ایک دوسرے سے تقابل کیا جاسکتا ہے۔ خلیفہ المنصور (۵۸۔۱۳۶ھ)(۴۷) کے ایما پر ترتیب دی جانے والی محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی بہت بھاری کام ہونے کے علاوہ روایات کی انجینئرنگ کی بہت بڑی شاہ کار ہے جس میں عالمی انسانی نجات کی خدائی اسکیم کو بیان کیا گیا ہے، اور اس اسکیم کی چوٹی پر پیغمبر اسلام اور ان کی زندگی کو رکھا گیا ہے(۴۸)۔ محمد بن اسحاق کے کام نے معمر کے کام کو بہت ہی معمولی بنادیا ہے۔ ابن ہشام کی السیرۃ النبویہ کا عربی ایڈیشن جو قاہرہ سے ۱۳۸۰ صفحات پر مشتمل شائع کیا گیا ہے یہ محمد بن اسحاق کے کام پر نظر ثانی اور ترمیم واضافے پر مشتمل ہے۔ بنیادی طور پر ابن اسحاق کی کتاب المغازی کی ساخت تین اہم حصوں پر مشتمل ہے:

المبتدا: یعنی پیدائش، اس میں اسلام سے پہلے کے پیغمبروں یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسی علیہ السلام تک کے پیغمبروں کے حالات ہیں۔

المبحث: اس حصے میں پیغمبر اسلام کی زندگی کے ابتدائی یعنی مکی دور کا ذکر موجود ہے۔

المغازی: یا مہمات اس حصے میں پیغمبر اسلام کے ہجرت کے بعد مدنی دور، اس کے تمام جنگی مہمات اور تاوفات کے واقعات کا ذکر موجود ہے۔ ان تین کے علاوہ ایک چوتھا اہم حصہ تاریخ الخلفا بھی موجود ہے۔(۴۹)

اس کے برعکس معمر کی مغازی بہت زیادہ پتلی اور کفایت شعار جلد کی حامل ہے اگرچہ یہ بھی اسی موضوع پر گفت گو کرتی ہے، جو ابن اسحاق کی مغازی کا موضوع ہے۔ یہ مغازی کافی حد تک معقول ہے

۴۷۔ Sellheim کی کتاب prophet, chalif and geschichte اور روبنسن کی Islamic Historiography 135

۴۸۔ ہورووٹز کی earliest biographies 80-89۔ درحقیقت نبیہ ایبٹ نے مسودہ کی شناخت ابن اسحاق کی تاریخ الخلفاء سے کی تھی۔ دیکھیے ایبٹ کی کتاب studies in arabic literary papyri, 1:80-90۔ اس کے تذکرے کو کسٹر کے نوٹس notes on an account of the shura کے ضمیمے کے طور پر پیش کرنا چاہیے۔

۴۹۔ وہ روایات جو زہری کی طرف مبینہ طور پر منسوب کیے گئے ہیں دیکھیے بیہقی، دلائل ۲/۴۲۱۔۴۲۳، ۴۵۴ وہ زہری کی نہیں بل کہ موسی بن عقبہ کی روایات ہیں۔ بہ ہر حال اس موضوع پر جو روایات معمر کی طرف سے آئی ہیں وہ الزہری سے منسوب نہیں ہیں دیکھیے عبد الرزاق کی تفسیر: ج۱، ص ۱۲۹، مصنف: ج ۶، ص ۶/۴۰۔۷، بعض روایات زہری کی طرف منسوب ہیں لیکن وہ معمر کی نہیں ہیں۔ دیکھیے اواج، مرویات الزہری، اواج کی ایک لسٹ جس میں وہ ساری وہ مرویات ہیں جو زہری کی طرف منسوب ہیں لیکن وہ معمر کی نہیں یہ لسٹ ابن اسحاق یا موسی بن عقبہ سے حاصل کی گئی ہے

اگرچہ بہت زیادہ جامع نہیں اور یہ زیادہ تر زہری کی مغازی کے مضامین پر مشتمل ہے۔ زیادہ تر اہم موضوعات اس کتاب میں موجود ہیں تاہم کچھ چیزیں واضح طور چھوڑ دی گئی ہیں مثلاً بیعت عقبہ کا واقعہ جو پیغمبر اسلام اور مدینہ کے کچھ لوگوں کے درمیان ہجرت سے پہلے پیش آیا تھا اس کتاب میں موجود نہیں (۵۰)۔ کچھ علماء نے معمر کی مغازی میں سیرت کے بعض اہم واقعات کے نہ ہونے پر سوال اٹھایا ہے کہ آیا یہ معمر کی مغازی میں ہی نہیں تھے یا موجود ہونے کے باوجود عبدالرزاق نے ان کو نقل نہیں کیا؟

مزید براں جو عمدہ روایت ابن اسحاق کے کام میں نظر آتی ہے اس کے برعکس معمر کے کام میں یوں نظر آتا ہے کہ شاید اس نے مضبوط تاریخ دانی کے بغیر ہی اپنی مغازی کو مرتب کیا ہے۔ یہ مغازی ٹھوس تاریخی واقعات ہی شروع ہوتی ہے، مثلاً بالکل شروع میں ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دادا عبدالمطلب کو اچانک ابرہہ اور اس کے لشکر کا سامنا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ بڑی بے خوفی سے وہ ابرہہ کے ہاتھی اور لشکر کو شکست دیتے ہیں۔ اس کے فوراً بعد ہم اس کی شہرت اور مقدس شہر مکہ کی زیارت گاہ خانہ کعبہ کے تحفظ پر اپنی جان کی بازی لگانے پر خدا کی طرف سے عطا عزت و تقدس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر یہی نہیں اچانک ابراہیم کے بیٹے اسماعیل کے زمانے میں پھوٹ پڑنے والے زمزم کے چشمے کے سوکھنے کے بعد اچانک خواب کے ذریعے خدا کی طرف سے ان کے لیے نشان دہی کرنے کی خبر بھی ہم پڑھتے ہیں۔ روایت آگے بڑھتی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش، جوانی، بلوغت، ان کی پیشین گوئی اور مدینے کی طرف ہجرت سے پہلے ان مکے کی وزارت کے واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ بہ ہر حال اس توسیع کے بعد اچانک روایت کا پہیہ گرنا شروع ہوتا ہے۔ اور ہجرت کے تقریباً چھ سال بعد ہم اچانک صلح حدیبیہ کے معاہدے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر اس کا مقصدی تسلسل رک جاتا ہے اس کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے مختلف واقعات میں سے کسی ایک واقعے سے دوسرے واقعے کی طرف جھکنے کا عمل شروع ہوجاتا ہے جب کہ ان کے درمیان کوئی تاریخی ترتیب یا تسلسل نہیں ہوتا۔ اب بھی احتیاط کی ضرورت ہے کہ کسی طرح کیس میں مبالغہ آرائی یا رنگ آمیزی نہ رہے۔

مدنی زندگی میں پیش آنے والی جنگوں کا ذکر تاریخی تسلسل سے ہوتا ہے۔ اسی طرح بعد میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد خلافت کا مسئلہ، فتوحات اور پیغمبر کے بعد ان کی جانشینی کے سلسلے

۵۰۔ مہر جرار (Die Prophetenbiographie, 29) کا کہنا ہے کہ عبدالرزاق نے کتاب معمر کی مغازی میں صرف ایک حصہ ہی ایسا شامل کیا ہے جس میں زہری سے روایات لی گئی ہیں، لیکن اس دعوے کے لیے جو ثبوت پیش کیے ہیں وہ ناکافی ہیں۔

میں ہونے والے اختلاف کے متعلق واقعات کا بیان ہے۔ طالب علمانہ مشاہدہ ہے کہ تاریخی تسلسل تحریر کے اندر کوئی ارادی عمل نہیں ہوتا، اس سلسلے میں معمر کا کام انتہائی محدود اور وقتی نوعیت کا ہے۔ اب بھی یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ معمر کی اپروچ الل ٹپ یا انکل پچو ہے۔ ابواب کے عنوانات سے معمر کے تقسیم مواد کی نوعیت جھلکتی ہے۔ اگرچہ پہلی نظر میں بعض عنوانات بے کار معلوم ہوتے ہیں لیکن غور سے پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ بعض بے کار معلوم ہونے والے عنوانات اس مواد کو تقسیم کرنے کے لیے ہیں جو معمر اپنے استاد زہری سے نقل کرتے ہیں، یا زہری کسی اور سے نقل کرتے ہیں، یا خود معمر زہری کے علاوہ مثلاً قتادہ یا عثمان الجزری سے نقل کر رہے ہوتے ہیں۔ اس بات پر زور ہونا چاہیے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کو بیان کرنے والی تاریخی کمان اس کتاب کی ساخت کو متعین نہ کرے تو یہ تاریخی کمان تاریخ کے ہر جزوی واقعے میں ضمنی ہو کر رہ جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ معمر بن راشد کی کتاب المغازی کثیر الجہت اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ دوسری صدی ہجری کا سب سے پرانا تحریری مواد ہونے اور نوع مغازی کا سب سے پہلا نمونہ ہونے کے علاوہ معمر کا کام اس گزری ہوئی تہذیبی و تمدنی تاریخ کا بھی قیمتی نمونہ ہے، جس نے عربی زبان کو تحریر کا ذریعہ بنتے ہوئے مشاہدہ کیا ہے۔ یہ کتاب ماہرین اور عام لوگوں میں سے دونوں کے لیے مفید ہے کیوں کہ اس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے متبعین کی ابتدائی اور اصلی تاریخ موجود ہے۔ چناں چہ یہ آج کے لوگوں کے لیے ایک ناگزیر کھڑکی کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی مسلمانوں نے اپنے پیغمبر اور اس کی مقدس تاریخ کو کس انداز سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔